Al-Qawārīr- Vol: 01, Issue: 03, June-2020

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
journal.al-qawarir.com

پاکستان میں خواتین کا سماجی استحصال: غریب طبقے اور امیر طبقے کے رویوں کا مطالعہ

Social Exploitation of Women in Pakistan: A Study of the Attitudes of the Poor and the Rich

Dr. Razia Shabana*
Assistant Professor: Department of Islamic Studies, Baha Uddin Zakariya University, Multan.

Dr. Fayyaz Ahmad Farooq**
Ex Scholar, Islamic Research centre, Baha Uddin Zakariya University, Multan.

Version of Record
Received: 02-Nov-19 **Accepted**: 10-Nov-19
Online/Print: 30-June-20

ABSTRACT

If we look at the Pakistani society, we come across different attitudes between the rich and the poor. Among them, the rich exploit the poor. Women are exploited socially, economically and socially. Has this exploitation ever been done in the name of rights? The feudal system is the main reason for this. Women are considered weak and inferior. Sometimes mental torture in the name of divorce and sometimes murder in the name of honor and sometimes physical, mental, psychological and sexual violence are used. Sometimes their social, political, societal and economic rights are violated and their self-esteem in society is also damaged.

Therefore, there is a need to review the exploitation of Pakistani women and to see to what extent the attitudes of the rich and the poor affect women and how they can be eliminated.

Keywords*: Social exploitation, women rights, attitudes, rich, poor, Islamic Law.*

تعارف

معاشرے کی تعمیر و ترقی میں عورت کے کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انسان کی سماجی زندگی میں بقاء اسی کی مرہون منت تصور کی جاتی ہے۔ اسی لیے معاشرتی زندگی میں خواتین کے مقام و مرتبے اور ان کی سماجی حیثیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نوع انسانی کے آغاز سفر میں صنفی بنیادوں پر قائم دو طبقات تھے جو اپنے ارتقائی سفر میں ایک دوسرے کے مد مقابل اپنے حقوق کے لیے کوشاں رہے۔ عورت سماج انسانی کی روح ہے جس کے بغیر نہ زندگی اور نہ ہی کائنات کے خالق کی مقصدیت کی تکمیل ہو سکتی ہے، خاندانی نظام میں عورت

CC BY

بنیادی کردار ادا کرتی ہے اس لیے اس کے خلوص و محبت کو بھی ماپا نہیں جا سکتا۔ عورت معاشرتی بقا کے لیے اتنی ضروری ہے جتنی مرد ذات ضروری ہے مگر عورت کو وہ مقام و مرتبہ اور اہمیت نہیں دی جاتی جس کی وہ حقدار ہوتی ہے۔ انسانی شعور جیسے جیسے ارتقائی منازل طے کرتا گیا اس دور کا معاشرہ استحصالی اور افراد کی غلامی سے زیادہ باوقار انسانی زندگی کی عکاسی کرتا دکھائی دیتا ہے جیسے ہی انسان ترقی کی منازل طے کرتا ہے اور سماجی ہیئت بدلتی ہے تو سماجی رویوں میں تبدیلی بھی واضح نظر آتی ہے جہاں عورت کو کمزور تصور کرکے اس کا استحصال کیا جاتا ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی طبقاتی تقسیم کی شکار نظر آتی ہے جہاں امیر و غریب کا تصور موجود ہے اس لیے ہر طبقے کی اپنی سماجی حیثیت ہے اور اسی کے پیش نظر خواتین کی فلاح و بہبود کا خیال رکھا جاتا ہے۔ سماجی حیثیت میں تفاوت نہ ہونے کی وجہ سے خواتین کا سماجی استحصال بھی کیا جاتا ہے۔ کبھی انھیں ذہنی و جسمانی تکلیف دی جاتی ہے تو کبھی سماجی رویوں میں ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ معاشرے میں استحصال کی ابتدا عورت کے اپنے والدین کے گھر سے ہوتی ہے جہاں عورت کو پرایا دھن کہا جاتا ہے، جائداد اور وراثت میں حصہ نہ دینا، شادی کے وقت لڑکی کی خواہش اور مرضی کا احترام نہ کرنا، پیشہ ورانہ زندگی اختیار کرنے کی شدید مخالفت کرنا جیسے استحصالی رویے شامل ہوتے ہیں۔ اقبال ایک ایسے سماج کی تشکیل چاہتے تھے جس میں عورتوں کی عزت و پاکدامنی کی حفاظت کی جائے اور معاشرے میں ان کو اعلیٰ وارفع مقام دیا جائے اور ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

پاکستانی سماج کا جائزہ لیا جائے تو امیر اور غریب طبقات میں مختلف رویے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے امیر غریب طبقات کا استحصال کرتے ہیں۔ خواتین کا سماجی، معاشی اور معاشرتی استحصال کیا جاتا ہے۔ کبھی یہ استحصال حقوق کے نام پر کیا جاتا ہے اور کبھی جاگیردارانہ نظام اس کا بنیادی سبب بنتا ہے۔ خواتین کو کمزور اور کم تر تصور کیا جاتا ہے کبھی طلاق کے نام پر ذہنی تکلیف اور کبھی غیرت کے نام پر قتل اور کبھی جسمانی، ذہنی، نفسیاتی اور جنسی تشدد کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ان کے سماجی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی حقوق پامال کرکے معاشرے میں ان کی عزت نفس بھی مجروح کی جاتی ہے۔ اس لیے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستانی خواتین کے استحصال کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ امیر اور غریب طبقات کے رویوں سے خواتین کس حد تک متاثر ہوتی ہیں اور ان کا خاتمہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ رویہ کا مفہوم

انسانی رویے انسان کو حیوانی دنیا سے ممتاز کرتے ہیں اور یہی رویے انسانی زندگی کو سنوارتے اور بگاڑتے ہیں۔ انسانی رویوں کی بدولت مختلف افراد کے مابین تعلقات قائم ہوتے ہیں اور پھر یہی تعلقات انسانی زندگی کی پہچان بنتے ہیں۔ معاشرتی استحکام، انسانوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت اور طبقات کی ہم آہنگی سب عمدہ سماجی واخلاقی رویوں پر منحصر ہوتے ہیں۔

رویہ کا لغوی مفہوم

مختلف لغات میں رویہ کی تعریف مختلف انداز میں کی گئی ہے جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

منتخب اللغات کے مطابق رویہ کا لفظ فکر کرنا، غور کرنا، نقطہ نظراور عمل جیسے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔[1]

فرہنگ آصفیہ کے مطابق: "رویہ عام طور پر قاعدہ، برتاؤ، ڈھنگ، طور طریقے، دستور اور چال چلن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔"[2]

ابن منظور افریقی نے "لسان العرب" میں لکھا ہے:

"عربی زبان میں اس کے لیے اتجاہ، موقف اور وجھتہ نظر کے الفاظ استعمال ہیں"۔[3]

Dictionary of Psychology کے مطابق:

"A relatively stable and enduring predisposition to behave or react in a certain way toward persons, objects, institutions or issue." [4]

"رویہ مختلف افراد، اشیاء، اداروں یا مسائل پر مخصوص جوابی افعال کرنے کا نام ہے جو نسبتاً پائیدار اور مستقل ہوتا ہے"۔

رویہ کی اصلاحی تعریف:

Gordwn W. Allport کے مطابق:

The mental and neural state of readness to respond organized through experience exerting a directive or dynamic influence on behavior. [5]

"رویہ ایک ذہنی اور اعصابی آمدگی کی کیفیت کا نام ہے جس کی تشکیل تجربے سے ہوتی ہے اور رویہ جن اشیاء، افراد یا ماحول سے مربوط ہوتا ہے، ان کے متعلق فرد کے افعال پر اثر ڈالتا ہے"۔

امام غزالی کے نزدیک:

"جس طرح روح اور جسم ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں اسی طرح اخلاق اور رویہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے معرض وجود میں آنے کا سبب بنتا ہے۔ انسان کے اعمال یا رویے اس کے اخلاق سے جنم لیتے ہیں اور انسان کے اخلاق کا اظہار اس کے اعمال سے ہوتا ہے۔ انسان کے رویے اس کے اخلاق کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اخلاق رویوں کی تشکیل کا اہم ذریعہ بنتا ہے"۔[6]

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے مطابق:

"ہر ارادی عمل اور فعل کو سلوک یا رویہ کہتے ہیں۔ جیسے سچ بولنا اور جھوٹ بولنا، سخاوت و بخل اختیار کرنا جن کا مصدر و منبع انسانی نفس ہے"۔[7]

ڈاکٹر سعدیہ غزنوی کے نزدیک:

"انسان کا وہ طرز عمل جو وہ دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے کردار یا رویہ کہلاتا ہے اور یہ کسی بیرونی مہیجات کے رد عمل میں ہوتا ہے۔ انسانی کردار مختلف عادات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جس میں ہر طرح کے پہلو شامل ہیں۔ یہ اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی"۔[8]

ماحول کے انسانی رویوں پر اثرات کے بارے میں مولانا تقی امینی کہتے ہیں کہ شعوری اور غیر شعوری پر انسان ماحول کی چیزوں سے متاثر ہوتا ہے آہستہ آہستہ یہ چیزیں اس کے مزاج اور طبیعت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ جس کا اثر اس کے سماجی واخلاقی رویوں میں نظر آتا ہے۔ [9] اچھے ماحول کی بدولت اچھے رویے اور برے ماحول کی بدولت برے رویے تشکیل پاتے ہیں۔ یہ ماحول کا ہی اثر ہوتا ہے کہ انسان لاشعوری طور پر اپنے ساتھیوں کی تقلید میں اچھے اور برے رویے اپنالیتا ہے اور دوست اور ہم جولی افراد انسانی شخصیت کی تشکیل کے اہم رکن اور اس کی فلاح و ناکامی کا باعث بنتے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

((مثل الجلیس الصالح والسواء کحامل المسک ونافخ الکیر، فحامل المسک إما ان یحذیک، وإما أن تجد منه ریحا طیبة م ونافخ الکیر: إما أنا یحرق ثیابک، وإما أن تجد ریحا خبیثة۔)) [10]

"نیک اور برے دوست کی مثال مشک ساتھ رکھنے والے اور بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے (جس کے پاس مشک ہے اور تم اس کی محبت میں ہو) وہ اس میں سے تمہیں کچھ تحفے کے طور پر دے گا یا تم اس میں سے کچھ خرید سکو گے (یا کم از کم اس کی عمدہ خوشبو سے تو محظوظ ہو سکو گے۔ اور بھٹی دھونکنے والا تمہارے کپڑے (بھٹی کی آگ) سے جلادے گا یا تمہیں اس کے پاس سے ایک ناگوار بدبودار دھواں پہنچے گا"۔

۲۔ طبقاتی تقسیم

اگر ہم برصغیر کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اس سرزمین کا سماج مختلف حصوں میں منقسم ملتا ہے۔ ذات پات کی تقسیم نے شروع سے ہی اس معاشرے کو مختلف طبقات میں تقسیم کیے رکھا ہے۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں ہی دو طبقات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں جن میں ایک اونچا طبقہ (طبقہ اشرافیہ) یعنی امراء اور دوسرا اور نچلا طبقہ (کسان ومزدور) یعنی غرباء میں منقسم نظر آتا ہے۔ امیر اور غریب کی طبقاتی تقسیم اس سماج کے ہر شعبے اور ہر پہلو میں واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے خواہ تعلیمی ادارے اور ان کا نصاب ہو یا علاج کی سہولیات کی دستیابی اور معیار میں یہ طبقاتی تقسیم ہر شہر، ہر گاؤں میں نظر آتی ہے۔ مکانوں کی تعمیر اور ان کے رقبے سے لے کر آرائش تک، لباس کے ڈیزائن سے لے کر کپڑے کے معیار تک، کھانوں کے اجزائے ترکیبی سے لے کر ان کی نفاست اور حفظان صحت کے معیاروں تک ہر جگہ طبقاتی تقسیم کارفرما ہے۔ یہاں تک کہ روزمرہ کی بول چال میں یہ تقسیم موجود ہے۔ زبان اور الفاظ کے استعمال سے لے کر لب و لہجے تک اور گفتگو کے انداز سے لے کر تلفظ تک ہر جگہ امیر اور غریب کی تفریق موجود ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر تک ایک تیسرا طبقہ منظر شہود پر آیا جسے متوسط طبقہ کا نام دیا گیا جو بیسویں صدی کے اوائل تک اپنی تمام اقدار وضع کرنے میں کامیاب رہا۔ متوسط طبقہ ہمیشہ اعلیٰ اور نچلے طبقے کے درمیان توازن کی شکل میں رہا۔ مگر اس کے اپنے مسائل تھے۔ ایک طرف تعلیم، مذہب اور سیاست اس کے مسائل تھے تو دوسری طرف دونوں طبقوں کے درمیان سینڈوچ کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ تحریک آزادی میں سب سے زیادہ اسی طبقے کا حصہ رہا۔ جب معاشرے میں اس طرح طبقاتی تقسیم موجود ہو تو اس معاشرے میں توازن کی مثبت صورتحال کا پیدا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے اور کشمکش کی فضا رہتی ہے۔ یہی صورتحال پاکستانی سماج میں بھی موجود رہی ہے۔

ڈاکٹر انور پاشا اس طبقاتی کشمکش کے متعلق لکھتے ہیں:

"تاریخ طبقاتی کشمکش کا نام ہے اور یہ کشمکش شروع سے جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک غیر طبقاتی سماج کا قیام عمل میں نہیں آجاتا۔[11]

گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ طبقاتی کشمکش شروع سے رہی ہے اور یہ تب تک رہے گی جب تک غیر طبقاتی سماج وجود میں نہیں آتا۔ اگر اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو اسلام میں بھی ذات پات کے نظام اور طبقاتی کشمکش کو ختم کرنے کی تعلیم دی ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

((یاایھاالناس ان ربکم واحد واباکم واحد الا لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا اسود علی احمرولا احمر علی اسود الا بالتقوی))[12]

"اے لوگو! تم سب کا خدا ایک ہے تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو سنو کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کسی سیاہ کو سرخ پر کسی سرخ کو سیاہ پر کوئی فوقیت نہیں (نسل ورنگت کے سب امتیازات ہیچ ہیں) فضیلت کا دارومدار صرف تقویٰ اور خوف خدا پر ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا کوئی مقام، مرتبہ یا عہدہ اس کو کسی بھی لحاظ سے فضیلت نہیں دیتا، کیونکہ پیدائش کے لحاظ سے تمام انسان حضرت آدم کی اولاد میں سے ہیں۔ لہٰذا تمام انسان باہم مساوی حقوق کے مالک ہیں، کسی شخص کو اچھی معاشرت کے لحاظ سے، اعلیٰ طبقہ ہونے کی وجہ سے کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ البتہ جب تک اس میں خوف خدا پیدا نہ ہو جائے جس کی وجہ سے وہ خدا کے بندے سے حسن معاشرت کرے اور ان کے باہمی حقوق کا خیال رکھے۔

۳۔ خواتین کا سماجی استحصال

ظہور اسلام سے قبل دنیا میں ہر جگہ خواتین کا نام حقارت اور ذلت سے لیا جاتا تھا اقوامِ عالم میں کہیں بھی عورت کی قدر و منزلت نہ تھی، تمام تہذیبوں میں عورت مردوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوتی نظر آتی ہے۔ قدیم اقوام کا مطالعہ کیا جائے تو جس قوم کے افکار و نظریات واضح اور ترقی یافتہ ملتے ہیں وہ یونانیوں کا تمدن ہے۔ اہل یونان کے ہاں تہذیبی، علمی اور فنی ترقی کے باوجود عورت کا مقام پست نظر آتا ہے، وہ عورت کو انسانیت کے لیے پر بار سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں عورت کا مقام سوائے خادمہ کے اور کچھ نہ تھا۔ جبکہ انسانی زندگی کے ارتقا اور اس کے استحکام میں عورت کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور سماجی زندگی کا استحکام ہی مرد اور عورت کے متوازن تعلق پر ہے۔ تخلیق انسانی میں بھی دونوں کو برابری کا حصہ دار سمجھا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾[13]

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا"۔

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو ایک جان سے پیدا کیا۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے

((انما النساء شقائق الرجال))[14]

"عورتیں مردوں کی ہم جنس ہیں"۔

اس لیے جنس کے لحاظ سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کی پیدائش ایک جان سے ہوئی ہے۔ مگر صلاحیت کی مختلف نوعیت کے اعتبار سے مرد کو عورت پر اور عورت کو مرد پر فوقیت حاصل ہے۔ مگر انسان کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی میں عورت کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سماجی تمدن کے ارتقا اور اس کی اصلاح میں بھی عورت کی ذمہ داریوں اور کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ نے عورت کو جو صلاحیتیں دی ہیں انسانی زندگی کے ارتقاء اور کی تہذیب و تطہیر میں معاشرے کی تعمیر و ترقی ممکن ہے۔

خاندان معاشرہ کا ایک اہم ترین ادارہ سمجھا جاتا ہے جس کا آغاز تو مرد اور عورت کے شرعی تعلق سے ہوتا ہے اور پھر خاندان میں نئے آنے والے بچے کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے مگر عرب صرف بیٹے کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے تھے اور بیٹی کی پیدائش پر سیخ پا ہو جاتے تھے اور بعض اوقات اس معصوم کا قتل بھی کر دیا جاتا تھا۔ وہ اپنے اس فعل پر مسرت و انبساط کا اظہار بھی کرتے تھے۔

اس ضمن میں طبری (م310ھ/1922ء) جامع البیان میں لکھتے ہیں:

> " لا بذنب، كان أهل الجاهلية يقتل أحدهم ابنته، ويغذو كلبه، فعاب الله ذلك عليهم.كانت العرب من أفعل الناس لذلك ـ" [15]
>
> "فرماتے ہیں کہ کسی گناہ کی وجہ سے (بچیوں کو) قتل نہیں کرتے تھے، جاہلیت میں وہ اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے، اس لیے اللہ نے ان کی نکیر فرمائی اور عرب تمام اقوام عالم میں یہ کام سب سے زیادہ کرتے تھے"۔

چونکہ عرب عورت کے وجود ہی کو ناپسند خیال کرتے تھے اس لئے جب ان کے گھر بچی پیدا ہوتی تو وہ کبھی غم کے مارے لوگوں سے منہ چھپاتے رہتے اور کبھی گھر کو ہی منحوس سمجھ کر چھوڑ دیتے گویا کہ اس پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو کہ جس سے نکلنے کا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ عربوں میں عورت کے حوالے سے اتنی نفرت تھی کہ وہ خواتین کے ساتھ جو چاہتے سلوک کرتے تھے اور خواتین غلامی کی زندگی گزار رہی تھی جن میں ان کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی تھی بلکہ یوں کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ وہ مردوں کی کٹھ پتلیاں بنی ہوئی تھیں۔ اسلام نے عورت کو وہ عزت و مقام دی جس کی وہ اصل حق دار تھی عورت کو بحیثیت ماں بیٹی بہن اور بیوی کے حقوق دیے اور ان کی حیثیت کو بھی مردوں کے برابر تسلیم کیا گیا۔

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے اصول اس قدر جامع، عام فہم اور ہمہ گیر ہیں کہ جن کا اطلاق ہر قسم کے حالات میں کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے بھی اچھے معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے بھی اسلام نے حریت، مساوات، نفع رسانی اور رواداری کے اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افراد کے درمیان تعاون، ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبات معاشرہ کے استحکام اور معاشرتی امن وسکون کا باعث بنتا ہے۔ سماجی لحاظ سے عورت کی فلاح و بہبود کا جو اسلام نے تصور دیا ہے اس کو بھی اختیار کرنی کی ضرورت ہے۔ عورت کے معاشی حقوق کا تحفظ، سماجی حقوق کا تحفظ اور بے آسرا خواتین مطلقہ، بیوہ اور یتیموں کے حقوق کا تصور بھی واضح انداز میں ملتا ہے۔ سماجی فلاح و بہبود میں ترقی کے لیے ہر شہری مرد اور عورت کو بلاامتیاز تعلیم، صحت، صفائی، خوراک جیسی بنیادی سہولیات فراہم ہوں تاکہ انسانی استعدادِ کار میں اضافہ، نادار اور ضرورت مند خواتین و حضرات کے لیے سوشل سیکورٹی کے شفاف ہمہ گیر نظام اور پاکیزہ ماحول کی فراہمی کو یقینی بنایا جا سکے۔ خصوصی توجہ کے حامل افراد اور علاقہ جات کے لیے ایسی حکمت عملی ہو جس کی مدد سے

یہ قومی زندگی میں زیادہ نمایاں کردار ادا کرنے کے قابل بن جائیں۔ معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے یہ انتہائی ناگزیر ہے کہ عورت کو اس کے حقوق دیئے جائیں کیونکہ عورت نصف انسانیت ہے۔ ثابت شدہ بات ہے کہ اگر اس کے حقوق کی نفی کی جائے گی تو اس کے بھیانک نتائج رونما ہوں گے اور مجموعی طور پر معاشرہ بگاڑ اور انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

((اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَيراً))[16]

"عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔"

امام غزالی کہتے ہیں کہ عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم کا تقاضا صرف یہ نہیں کہ مرد عورت کو اذیت نہ دے بلکہ اس کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ کہ اگر عورت کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے برداشت بھی کرے۔[17]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی عزت و تکریم کی تعلیم دی گئی ہے تا کہ ان کے سماجی حقوق کا تحفظ کر کے ان کی فلاح و بہبود کا خیال رکھا جائے اور طبقاتی لحاظ سے جو عدم مساوات کے تصورات ہیں ان کا بھی خاتمہ کیا جائے۔ ایسے اقدامات سے ہی مثالی معاشرے کی تعمیر کی جا سکتی ہے جس سے متعلق اسلامی تعلیمات بھی واضح ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو طبقاتی طور پر منقسم معاشرے میں عورت کا سماجی استحصال کیا جاتا ہے۔ عورت جو گھر، خاندان اور معاشرے کی تعمیر میں اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دیتی ہے اس لحاظ سے ان کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ معاشرے میں امیر و غریب کے مختلف رویے سامنے آتے ہیں۔

ا۔ حق سکونت

عورت کا سماجی استحصال بنیادی طور پر گھر سے شروع ہوتا ہے جہاں یہ رویے تشکیل پاتے ہیں کہ اس نے اپنا گھر چھوڑ کر دوسرے کے گھر جانا ہے لہٰذا وہ اس کا مستقل گھر تصور ہوگا۔ ان رویوں کے بارے میں بھی امیر و غریب میں مختلف خیالات جنم لیتے ہیں۔ امیر خاندان کو دونوں گھروں میں تمام سہولتیں فراہم ہوتی ہیں۔ ایک سے زائد گھر اور ہر گھر ان کے لیے مرقع سجاوٹ ہوتا ہے جس میں تمام آسانیاں اور آسائشیں حاصل ہوتی ہیں جبکہ غریب عورتیں والدین کے گھر میں بھی محنت و مشقت کی زندگی بسر کرتی ہیں اور سسرال میں محنت و مشقت کو اپنا شیوہ بنا لیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ انھیں صحت کا خیال ہوتا ہے اور نہ ہی اچھی طرز بود و باش کی فکر ہوتی ہے۔ جبکہ عورت کو حق سکونت حاصل ہے تا کہ وہ بہتر معیار زندگی کے مطابق اپنی زندگی گزار سکے۔ شادی کے بعد شوہر پر بیوی کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان میں سے ایک اسے رہائش کی سہولت مہیا کرنا بھی ہے یہ نفقہ ہی میں شامل ہے۔ رہائش کے لیے سکن کا لفظ ملتا ہے کنز الدقائق میں ہے:

"والسكنى فى بيت خال عن أهله وأهلها۔"[18]

"اور شوہر پر بیوی کا ایک حق سکنی ہے جس میں شوہر اور بیوی کے متعلقین میں سے کوئی نہ ہو"۔

اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کی الگ الگ رہائش کا بندوبست کرنا بھی خاوند پر فرض ہے۔ الا یہ کہ ایک سے زائد بیویاں ایک ہی گھر میں رہنے پر رضامند ہوں مگر بالعموم ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے انہیں الگ رہائش مہیا کرنا ہی مبنی برانصاف ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا مبارک اسوہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ ﷺ نے سب کو الگ گھر مہیا کیا تھا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾[19]

"کہ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو"۔

فقہاء لکھتے ہیں:

"ولیس للرجل ان یجمع بین إمراتیه فی مسکن واحد۔ ---۔الخ "[20]

"خاوند اپنی دو بیویوں کو ان کی رضامندی کے بغیر ایک ہی گھر میں اکٹھا رکھنے کا مجاز نہیں خواہ گھر چھوٹا ہو یا بڑا، کیونکہ سوکنوں کی باہمی عداوت اور غیرت کی وجہ سے فساد ہوتا ہے اور انہیں ایک ہی گھر میں رکھنا گویا انہیں ایک دوسرے کے خلاف لڑائی جھگڑے پر ابھارنے کے متراف ہے۔"

آدمی کا معیار زندگی میں اس کی آمدنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس کی ہدایت ان عورتوں کے باب میں فرمائی کہ ان کو اس معیار پر رکھنا ہوگا جو معیار آدمی کا اپنا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خود تو کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہیں اور بیوی کو نوکروں کے کسی کوارٹر یا گیراج میں ڈال دیں اور بچا کھچا اسے کھانے کو بھیج دیں۔ اگر کسی نے دل سے اللہ کے یہ احکام قبول نہ کیے تو وہ ظاہر میں ان کی خانہ پری کرتے ہوئے بھی تنگ کرنے کی ایسی تدابیر اختیار کر سکتا ہے کہ عورت کے لیے چوبیس گھنٹے بھی اس کے گھر میں گذارنا محال ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو تو وہ ساری مصلحت یک قلم فوت ہو جائے گی جس کے لیے یہ احکام دیئے گئے ہیں اس وجہ سے منفی پہلو سے بھی اس بات کی وضاحت فرما دی کہ اس دوران میں ان کو تنگ کرکے بھگا دینے کی تدبیریں نہ کی جائیں۔

ہمارے سماجی نظام میں رہائش کے حوالے سے مختلف معاشرتی رویے سامنے آتے ہیں جہاں پر امیر طبقات کے لیے ایک سے زائد گھر موجود ہوتے ہیں اور ہر گھر کو خاتون کے لیے سجایا جاتا ہے جبکہ غریب طبقوں میں اتنی سہولتیں موجود نہیں ہوتیں اور حق سکنیت کے باوجود بھی اس طبقے کی عورتوں کو کم اراستہ، ناپختہ گھروں میں رہنا پڑتا ہے اور اکثر وہ اپنے اسی گھر کی تزین وارائش میں پوری زندگی بسر کر دیتے ہیں۔

۲۔ صحت کی سہولیات

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ فقط روحانیت کا سرچشمہ اور آکرت سنوارنے کا وسیلہ نہیں نلکہ یہ ہماری زندگی کے لیے ایک بہترین عملی اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف مادی عروج حاصل کیا جا سکتا ہے بلکہ صحت و توانائی کے حصول کو بھی ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ دور جدید میں صحت کے حوالے سے بہت سے مسائل درپیش ہوتے ہیں اس لیے صحت مند رہنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ صحت کو اللہ کی نعمت قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے

((نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ، وَالْفَرَاغُ))[21]

"دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے، صحت اور فراغت۔"

صحت کی نعمت پوری موجود ہو تو انسان اپنی زندگی کے تمام افعال پوری طرح سر انجام دیتا ہے۔انسانی زندگی کا اصل جوہر اور اس کا کمال عقل و اخلاق اور ایمان و شعور ہے اور ان چیزوں کی صحت و سلامتی کا دار و مدار بھی جسمانی صحت پر ہے۔

پاکستانی سماج میں امیر اور غریب طبقات کی خواتین کو صحت کی مساوی سہولیات نہیں دی جاتیں۔ پاکستان میں غریب خواتین کو صحت کی بنیادی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے زچہ بچہ کی شرح اموات زیادہ ہوتی ہے۔صحت کی ناکافی سہولیات کی وجہ سے غربت کے ساتھ ساتھ صھت کے مسائل بھی رہتے ہیں۔ جبکہ امیر طبقات کو صحت کی وہ تمام سہولیات حاصل ہوتی ہیں جو حفظان صحت کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔امیر طبقات دولت اور معاشرے میں بہتر مقام کی وجہ سے زیادہ بہتر طریقے سے صحت سے متعلق سہولیات سے استفادہ کرتے ہیں۔

۳۔گھریلو مشقت

عورت پر گھریلو ذمہ داری کی سب سے.بڑی دلیل یہ ہے کہ شریعت اس کو اولاد کے سن شعور کو پہنچنے تک ان کی پرورش اور نگہداشت کے لیے مردوں سے زیادہ اہل اور موزوں سمجھتی ہے۔ایک صحابی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اس بیوی سے ان کا ایک بچہ تھا اور وہ بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں، لیکن بچے کی ماں نے نبی کریم ﷺ سے ان کے خلاف شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أنت أحق به مالم تنكحي))[22]"کہ تم ہی اس کی زیادہ حق دار ہو جب تک کہ نکاح ثانی نہ کر لو"۔

عورت کو چونکہ گھریلو زندگی کی منتظم بنایا گیا ہے کہ لہٰذا اس کا فرض ہے کہ خوش اسلوبی اور سلیقہ سے گھر چلائے۔ گھر میں صفائی، ستھرائی، نظم و نسق برقرار رکھے، باپ، بھائی، شوہر، ان میں سے ہر ایک لباس و خوراک، آرام وآسائش کا خیال رکھے اور وہ تمام اہل خانہ کے لیے سرمایہ حیات و سکون بن جائے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

> "یہ فرائض عورت ہی کے لیے مخصوص ہیں کہ وہ کھانے پینے اور لباستیار کرنے کی خدمت انجام دے، شوہر کے مال کی حفاظت کرے، بچوں کی تربیت کرے اور وہ تمام امور جن کا تعلق گھر اور گھر ہستی کے ساتھ ہے اور ان کی انجام دہی کی کفیل ہو۔"[23]

خانہ داری کو بعض خواتین عار سمجھتی ہیں اور بعض خواتین کے نزدیک کھانا پکانا، سلائی کرنا تو مناسب کام ہیں لیکن جھاڑو لگانا اور برتن صاف کرنا وہ حقیر کام سمجھتی ہیں۔ لیکن ایسی خواتین کو علم ہونا چاہیے کہ خود جگر گوشہ رسول حضرت فاطمۃ الزہرا خانہ داری خود کرتی تھیں اور انتہائی مشقت کے کام خود سر انجام دیتی تھیں، گھر میں جھاڑو لگاتیں اور برتن بھی خود دھوتی تھیں۔

ابن القیم الجوزیہ فرماتے ہیں:

> "قال ابن حبيب في (الواضحة) حكم النبي ﷺ بين على بن ابى طالب رضی اللہ عنہ وبين زوجته فاطمة رضی اللہ عنہا حين اشتكيا إليه الخدمة فحكم على فاطمة بخدمة الباطنة خدمة البيت، وحكم على كرم الله وجهه،

بالخدمة الظاهره ثم قال ابن حبيب والخدمة الباطنة العجين، والطبخ والفرش و كنس البيت واستقاء الماء وعمل البيت كله۔" [24]

"ابن حبیب نے "واضحہ" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور ان کی بیوی حضرت فاطمہؓ کے درمیان یہ فیصلہ کیا کہ حضرت فاطمہؓ گھر کا کام کاج کریں گی اور حضرت علیؓ باہر کا۔ پھر ابن حبیب کہتے ہیں کہ گھر کے کام کاج میں آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، بستر جھاڑنا دینا اور پانی پلانا شامل تھے"۔

گھریلو کاموں کو حقیر سمجھنا، بچوں کی پرورش کو نظر انداز کرنا اور باہر کے اجتماعی معاملات میں حصہ لینے کو ترقی سمجھنا غلط انداز فکر ہے۔ اسلام نے کچھ حدود کے ساتھ اجتماعی معاملات میں حصہ لینے کا حق ضرور دیا ہے، لیکن یہ حق نہیں دیا کہ اپنی فطری ذمہ داریوں جو حقیر سمجھیں اور ان سے پیچھا چھڑانے اور باہر کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے میں اپنی ترقی سمجھیں انسانی تہذیب وتمدن کی ترقی دراصل یہ ہے کہ عورتیں، اعلی انسانی معاشرہ قائم کر سکیں اور اعلیٰ انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ ہم عورتیں، بچوں کی پرورش کا حق ادا کریں اور اعلیٰ کردار اور پاکیزہ سیرت کے انسان تیار کریں، اس لیے کہ پاکیزہ معاشرہ اچھے انسانوں ہی سے بنتا ہے۔ یہ کام عورتوں کے سوا کوئی انجام نہیں دے سکتا، اچھے انسان اچھی گودوں میں پروان چڑھتے ہیں۔

اگر ہم امیر اور غریب طبقات کے معاشرتی رویوں کا تقابل کریں تو واضح طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ غریب طبقات کی عورتیں زیادہ مشقت کرتی ہیں۔ یہ نہ صرف اپنے اور اپنے خاندان کے لیے اپنے گھر کے کام کاج کرتی ہیں بلکہ امیر طبقات کے گھروں میں بھی کام کرتی ہیں ان کی باتیں اور جھڑکیاں سنتی ہیں۔ زیادہ کام پر کم معاوضہ دے کر امیر طبقات غریب خواتین کا استحصال کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی عزت نفس بھی مجروح کرتے ہیں جس کے اثرات ان کے خاندان میں بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

۴۔ عورت کا معاشی استحصال

عورت کے ذمے گھرداری دی گئی ہے جب کہ معاشی ذمہ دار مرد کو بنایا گیا ہے مگر ہمارے معاشرے میں عورت کا معاشی اتحصال کیا جاتا ہے جہاں ان کی معاشی ضرورتوں کو پورا نہیں کیا جاتا۔ علامہ کاسانی بدائع الصنایع میں لکھتے ہیں:

عورت کا مرد پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے کھانے پینے لباس اور رہائش کا اخراجات برداشت کرے۔ [25]

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عورت مرد سے زیادہ مالدار ہو پھر بھی بیوی کا نفقہ شوہر پر فرض ہے۔" [26]

عورت کے معاشی حقوق پورے کرنے اور رہائش فراہم کرنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَسْكِنُوْهنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُم مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوْهنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾ [27]

"کہ ان کو وہیں رہائش دو، جہاں تم رہتے ہو۔ اپنی حیثیت کے مطابق دو، ان کو نقصان نہ دو ان کو تنگ نہ کرو، اگرچہ یہ آیت مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے، لیکن اگر عورت طلاق کی عدت میں نفقہ وسکنی کی مستحق ہے تو بیوی بدرجہ اولی حق رکھتی ہے"۔

ابن قدامہؒ لکھتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ "بیوی کو نفقہ دینا خاوند پر واجب ہے مگر یہ کہ وہ نافرمان ہو"۔[28]

نفقہ میں بالعموم تین چیزیں یعنی خوراک، لباس اور مسکن مراد لی جاتی ہے۔[29]

معاشرہ کے ہر فرد واس کے بیوی بچون کے لیے الگ مکان کی سہولت حاصل ہونی چاہیے جس کے انتظام میں وہ خود مختار ہو اور دوسری کی مداخلت سے آزاد ہو۔ بچے کے باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورتوں کا کھانا اور پوشاک دستور کے مطابق دیا کرے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے

((اتقو الله فی النساء فاتکم اخذتموھن بامانة الله واتحللھم فروجہن بکلمة الله ولھن علیکم رزقھن وکسوتہن بالمعروف))[30]

"عورتوں کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرو اس لیے کہ تم نے ان کو امانت الہی کے طور پر قبول کیا ہے اور ان کے ساتھ تمھارا ہم بستری کرنا اللہ تعالی کے حکم سے جائز ہوا ہے۔ لہٰذا ان عورتوں کا کھانا پینا اور لباس تم پر دستور کے موافق لازم ہے۔"

مرد اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنے کا پابند ہے۔آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ شوہر پر بیوی کے کیا حقوق ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

تطعمہا اذا طعمت وتکسوہا اذا اکتسبت[31]

"جو تم کھاؤ وہ اپنی بیوی کو کھلاو جو تم پہنو اسی درجہ کا لباس اس کو پہناؤ۔"

ایک سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا:

انفقه علی زوجتک[32]

"مال کو اپنی بیوی پر خرچ کرو۔"

بیوی پر خرچ کرنے والے ایک لقمہ پر بھی ثواب ملتا ہے[33]

خلاصہ بحث

انسان کی سماجی زندگی میں جس طرح عام خواتین کے حقوق و فرائض ہیں اسی لیے خواتین کا سماجی استحصال بند کیا جائے اور طبقاتی تقسیم کی بجائے عدل و مساوات کے رویوں کو فروغ دیا جائے امیر اور غریب کے فرق کو ختم کیا جایئے تاکہ معاشرے کے تمام طبقات باہم مل جل کر زندگی گزار سکیں۔ معاشرے میں بے سہارا خواتین کے بھی حقوق و فرائض ہیں جن کی بجاآوری ضروری ہے۔ بلکہ ان کا سماجی تحفظ اس لحاظ سے زیادہ ہے کہ ان کو کوئی سماجی یا نفسیاتی تکلیف نہ ہو اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے معاشرے اور ریاست کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ان کے سماجی تحفظ کے لیے دار الامان کے نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ سماجی طبقات کا بھی یہ کردار ہے کہ بے سہاروں کو سماجی تحفظ فراہم کریں۔ مطلقہ اور بیوہ خواتین سے شادی کے رویوں کو فروغ دیں تاکہ وہ بھی سماجی تحفظ کے ساتھ زندگی گزار

سکیں اور ان کا خیال بھی اپنے اہل و عیال کی طرح رکھنا چاہیے اور ان کی بنیادی ضروریات کو پرا کیا جانا چاہیے تاکہ انھیں بھی خوش حالی نصیب ہو۔

نتائج تحقیق

۱۔ انسان کے ہر ارادی عمل اور فعل کو رویہ کا نام دیتے ہیں اور یہ رویہ فرد کے ذاتی تجربات کی تنظیم اور کردار کی مستقل تنظیم کا نام بھی ہے۔

۲۔ امیر اور غریب کی طبقاتی تقسیم ہر سماج کا حصہ رہی ہے اور یہ طبقاتی تقسیم زندگی کے تمام شعبہ جات میں ملتی ہے خواہ تعلیم ہو صحت ہو یا معیشت ہو۔

۳۔ اسلام نے طبقاتی کشمکش کو ختم کرکے مساوات کا تصور دیا اور مساوات کے قیام کے لیے نظام عدل کو بنیاد قرار دیا

۴۔ انسانی زندگی کے ارتقا اور اس کے استحکام میں عورت کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور سماجی زندگی کا استحکام ہی مرد اور عورت کے متوازن تعلق پر ہے جو استحصالی نظام کے خاتمے سے ممکن بنایا جا سکتا ہے۔

۵۔ امیر طبقوں میں عورت کو ہر قسم کی سہولیات دی جاتی ہیں جبکہ یہی امیر طبقے غریب عورتوں کا استحصال کرتے ہیں خواہ وہ محنت و مزدوری میں ہو یا سماجی نظام زندگی میں ہو۔

۶۔ پاکستانی سماج میں غریب طبقات کی خواتین کو صحت کی مساوی سہولیات نہیں دی جاتیں۔ جبکہ امراء ان سہولیات سے ضرورت سے زیادہ مستفید ہوتے ہیں۔ پاکستان میں غریب خواتین کو صحت کی بنیادی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے زچہ بچہ کی شرح اموات زیادہ ہوتی ہے۔

۷۔ عورت کے معاشی استحصال کے حوالے سے امیر اور غریب طبقوں کے رویوں میں واضح طور پر فرق دیکھا جا سکتا ہے جہاں امیر طبقات عورت کو تمام سہولتیں باہم پہنچاتے ہیں وہیں غریب طبقات اپنی غربت کی وجہ سے عورتوں کا معاشی استحصال کرتے ہیں۔ یہ استحصال مختلف مواقع پر مختلف نوعیت کا سامنے آتا ہے

۸۔ غریب طبقات میں عورت کا سماجی استحصال کیا جاتا ہے جہاں اسے نہ اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی اجازت دی جاتی ہے اور نہ ہی شادی بیاہ میں ان کی پسند معلوم کی جاتی ہے۔ غریب عورت مطلقہ یا بیوگی کی صورت میں ہمیشہ حالت استحصال میں رہتی ہے جبکہ امیر طبقات میں مختلف رویے تشکیل پاتے ہیں جہاں عورت کی پسند و ناپسند کو دیکھا جاتا ہے بلکہ مخصوص حالات میں انھیں تمام سہولیات بھی باہم پہنچائی جاتی ہیں۔

سفارشات

۱۔ امیر اور غریب کی طبقاتی تقسیم ختم کرکے اسلام کے تصور مساوات کو نافذ کیا جائے

۲۔ مرد اور عورت دونوں کے ہر طبقہ میں حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے استحصالی نظام کا خاتمہ کیا جائے

۳۔ خواتین کے سماجی استحصال کو ختم کرنے کے لیے قانون سازی کرکے اس کا فوری نفاذ کرایا جائے

۴۔ امیر اور غریب دونوں طبقات کو برابری کی سطح پر سہولیات دی جائیں تاکہ استحصالی رویوں میں کمی لائی جاسکے

۵۔ امیر طبقات جو غریب خواتین کا معاشی استحصال کرتے ہیں ان کا خاتمہ کرکے عملی رویوں میں تبدیل لائی جائے

۶۔ غریب خواتین کا سماجی استحصال بھی بند کیا جائے اور انھیں زندگی گزارنے کے لیے برابر مواقع اور سہولیات دی جائے تاکہ وہ بھی سماج میں خوشگوار زندگی بسر کرسکیں۔

حواشی و حوالہ جات

[1] عبدالرشید ٹھٹھوی، سید، منتخب اللغات، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۳۰۷

[2] دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ لاہور، ۱۹۶۴ء، ج ۲، ص ۳۹۰

[3] ابن منظور افریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار المعارف قاہرہ، ج ۱۹، ص ۳۴۵

[4] Andrew M. Colman, A dictionary of psychology, Oup, oxford, P. 212

[5] Gordan, W. Allport, (1971)¸Personality a psychological interpretation, Constable, England, P: 220

[6] غزالی، محمد بن محمد، امام، میزان عمل، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۱۷ء، ص ۹۰۔۹۵

[7] حفظ الرحمن سوہاروی، مولانا، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص ۱۵

[8] سیدہ سعدیہ غزنوی، ڈاکٹر، اسوہ حسنہ اور علم نفسیات، الفیصل ناشران، لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۱۲۹

[9] تقی امینی، مولانا، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۲۰

[10] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب الذبائح والصید، باب المسک، حدیث نمبر ۵۵۳۴

[11] پاشا، انور، ڈاکٹر، ہند و پاک میں اردو ناول / تقابلی مطالعہ، پیش رو پبلی کیشنز نئی دہلی، ص ۹۰

[12] امام بیہقی، شعب الایمان، حدیث نمبر ۴۷۶۰

[13] النساء ۴:۱

[14] امام ابوداؤد، سنن ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی رجل عبد اللیلۃ فی منامہ، حدیث نمبر ۲۳۶

[15] طبری، تفسیر طبری، ج ۲، ص ۲۴۸

[16] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المراۃ علی الزوج، حدیث: ۱۸۵۱

[17] امام غزالی احیاء علوم الدین، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، ج ۲، ص ۷۸

[18] کنزالد قائق، ص ۵۳،

[19] الأحزاب، ۳۳:۳۳

[20] ابن قدامہ، المغنی: ۲۳۷/۱۶

[21] امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الرقاق وان لا عیش الا عیش الاخرۃ، حدیث نمبر ۶۴۱۲

[22] سنن ابوداود، کتاب الطاق، باب من أحق بالوالد، ۲۲۷۶

[23] حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ، مترجم عبدالرحیم: ص ۵۶۱

[24] زادالمعاد فی ھدی خیر العباد لابن قیم الجوزیۃ، فی حکم فصل النبی خدمۃ المرأۃ وجھا: ۱۸۶/۵

[25] علامہ کاسانی، بدائع الصنائع، ج ۴، ص ۶۶

[26] اشرف علی تھانوی، حقوق العباد، ص ۱۰۳

[27] الطلاق، ۶۵: ۴

[28] ابن قدامہ، المغنی، ج ۶، ص ۲۳۰

[29] فتاویٰ عالمگیری، ج ۲، ص ۱۴۴، عبدالرحمن الجزری، الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج ۴، ص ۵۵۳

[30] ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب المناسک، باب صفۃ حجۃ النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث: ۱۹۰۵

[31] ابوداود، کتاب ا لنکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجھا، حدیث ۲۱۴۶

[32] ابوداود، کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ رحم، حدیث ۱۶۹۱

[33] بخاری، کتاب الایمان، باب ماجاء انما الاعمال بانیات، حدیث ۵۶